جبران خلیل جبران

حبیب اشعر

کتبۂ ادب لاہور

دیوانہ

اچھی
کتاب
کا
نکھار
ہمیشہ
قائم
رہتا
ہے

نقاش :- جبران خلیل جبران

عکاس :- حبیب اشعر دہلوی

آئینۂ ادب، چوک مینار انارکلی، لاہور

بار دوم

۱۹۶۹ء

تعداد ۱۱۰۰

قیمت ..... دو روپے پچاس پیسے

اہتمام

م، ع، سلام، آئینہ ادب

چوک مینار۔ انارکلی۔ لاہور

فون نمبر ۶۷۵۰۴

اشرف پریس لاہور کے ذریعہ چھپی

ملک اسلم

کے

نام

فہرست

مَیں دیوانہ کیسے ہُوا؟

میں دیوانہ کیسے ہوا؟

جو کوئی یہ جاننا چاہتا ہے، وہ میرا قصہ سُنے:

پُرانے زمانے میں کہ بہت سے دیوتا ابھی پیدا بھی نہ ہوئے تھے، میں گہری نیند سے بیدار ہوا اور دیکھا کہ میری تمام نقابیں چوری ہوگئی ہیں —— میری وہ سات نقابیں۔ جو اس زمین پر اپنی سات زندگیوں میں میں نے بُنی اور اپنے چہرے پر ڈالی تھیں۔

میں کھُلے مُنہ، کھچا کھچ بازاروں میں چلّاتا ہوا دوڑا:

"چور! چور! لعنتی چور!"

مردوں اور عورتوں نے میری ہنسی اڑائی اور کچھ لوگ مارے ڈر کے

اپنے گھروں کو بھاگ گئے۔

جب میں چوک میں پہنچا تو ایک نوجوان ——— جو اپنے کوٹھے پر کھڑا تھا ——— مجھے دیکھ کر چلّایا:

"لوگو! یہ دیوانہ ہے۔"

اور جب میں نے اسے دیکھنے کے لیے نگاہ اٹھائی، تو سورج نے پہلی بار میرے برہنہ چہرے کو بوسہ دیا ——— ہاں! سورج نے پہلی بار میرے برہنہ چہرے کو بوسہ دیا۔ میرا دل سورج کی محبت سے بھڑک اُٹھا اور مجھے اپنی نقابوں کی احتیاج نہ رہی۔ ایک بے ہوشی کی سی کیفیت میں، میں چلّایا:

"میری نقابیں چرانے والے چورو! خدا تمہارا بھلا کرے! اللہ تمہیں برکت دے!"

اس طرح میں دیوانہ ہُوا، لیکن اپنی اس دیوانگی سے مجھے آزادی اور نجات دونوں مل گئیں۔

"تنہائی کی آزادی

اور نجات اس سے کہ لوگ میری ہستی کو سمجھیں۔

اس لیے کہ جو ہماری ہنسی کو سمجھتے ہیں، وہ کسی نہ کسی حیثیت سے

ہمیں اپنا غلام بنا لیتے ہیں۔

لیکن میں اپنی نجات پر زیادہ نازاں نہیں ہوں۔

اس لیے کہ چور، قید خانے کی چار دیواری ہی میں اپنے حریف چوروں

سے محفوظ ہوتا ہے۔

خُدا

جب میرے ہونٹ بولنے کے لیے پہلے پہل جنبش میں آئے، تو
میں نے مقدّس پہاڑ پر چڑھ کر خدا کو پکارا:
"میں تیرا بندہ ہوں، اے میرے پروردگار! تیری پوشیدہ مشیّت
میری شریعت ہے اور میں زندگی بھر تیرا فرماں بردار رہوں گا۔"
لیکن اللہ نے میری بات کا کوئی جواب نہ دیا، اور ایک تند و تیز
طوفان کی طرح گزر کر میری آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔
ایک ہزار برس کے بعد میں دوبارہ مقدّس پہاڑ پر چڑھا اور خُدا
سے مخاطب ہُوا:
"اے میرے پیدا کرنے والے! میرا خمیر تیرے ہاتھوں کا گوندھا

ہوا ہے، تُو نے مجھے مٹّی سے بنایا اور اپنی بلند و برتر روح مجھ میں پھونک کر زندگی کی حرارت و توانائی بخشی، میرا رنگ و روپ تیرا مقروض ہے، میرے مالک!

لیکن خدا نے مجھے کوئی جواب نہ دیا اور ہزار دل پھڑپھڑاتے پروں کی طرح میرے پاس سے گزر گیا۔

ایک ہزار برس کے بعد میں پھر مقدس پہاڑ پر چڑھا اور میں نے تیسری بار خدا کے حضور میں عرض کی:

"اے مقدس باپ! میں تیرا چہیتا بیٹا ہوں، تو نے محبت و شفقت سے مجھے پیدا کیا اور میں محبت و عبادت سے تیری حکومت کا وارث بنوں گا۔"

لیکن اس مرتبہ بھی خدا نے کوئی جواب نہ دیا اور دور پہاڑوں پر چھائی ہوئی کہر کی طرح میری نگاہوں سے چھپ گیا۔

ایک ہزار برس کے بعد میں ایک دفعہ اور مقدس پہاڑ پر چڑھا اور چوتھی بار میں نے اللہ سے خطاب کیا:

"اے خدائے علیم و حکیم! اے میرے کمال اور میری محبت! میں تیرا

ماضی ہوں اور تو میرا مستقبل! میں زمین کی تاریکیوں میں تیری جڑیں ہوں اور تو آسمانوں کی روشنی میں میرے پھول - اور ہم دونوں سورج کے سامنے، ایک ساتھ نمو پاتے ہیں۔"

اب خدا نے میری طرف توجہ کی - وہ مجھ پر جھکا اور مجھ سے سرگوشی کی - ایسے الفاظ میں، جن کی رقت و شیرینی انہیں پگھلائے دیتی تھی۔ خدا نے مجھے اپنی گہرائیوں میں پیٹ لیا جس طرح سمندر اپنے اندر گرنے والی نہر کو آسودہ کر لیتا ہے۔

اور جب میں وادیوں اور میدانوں میں اترا تو خدا وہاں بھی موجود تھا۔

میرے دوست!

میرے دوست!

میں وہ نہیں ہوں، جو تجھے نظر آتا ہوں۔ میرے مظاہر تو محض لطف و مہربانی کے تانے بانے سے بُنی ہوئی ایک چادر ہیں، جس میں میں نے اپنے تئیں اس لیے لپیٹ رکھا ہے کہ تیرا اچھلپن مجھ سے بہلتا رہے اور تجھے میری غفلت و بے خبری کا وار نہ سہنا پڑے۔

وُہی میری عظیم مخفی ذات، جسے میں "انا" کہتا ہوں، سو وہ ایک ناقابلِ فہم راز ہے، جو میرے سکونِ نفس کی گہرائیوں میں چھپا ہوا ہے اور جسے میرے سوا کوئی نہیں پا سکتا۔

یہ راز، ابدالآباد تک، اسی طرح پوشیدہ اور ناقابلِ فہم رہے گا۔

میرے دوست!

میں چاہتا ہوں کہ تو میری بات نہ سُنے اور میرے نعل پہ بھروسا نہ کرے، اس لیے کہ میرے اقوال تیرے ہی انکار کی بازگشت اور میرے افعال تیری ہی تمناؤں کی پرچھائیاں ہیں اور بس!

میرے دوست!

جب تو مجھ سے کہتا ہے:

"پُروا ہوا چل رہی ہے"۔

تو میں فوراً جواب میں کہتا ہوں:

"ہاں! پُروا ہوا چل رہی ہے"۔

میں تیرے دل میں یہ خیال آنے دینا نہیں چاہتا کہ سمندر کی موجوں کے ساتھ بہنے والے میرے افکار، ہوا کے دوش پہ تارے نہیں کاڑھ سکتے۔

لیکن ہماؤں نے تیرے قدیم اور فرسودہ افکار کا تانا بانا الگ کر دیا ہے اور تو میرے ان عمیق افکار کو سمجھنے سے قاصر ہو گیا ہے جو سمندروں پر پھڑپھڑاتے ہیں۔

اور بہتر بھی یہی ہے کہ تو ان کی کنہہ و حقیقت نہ سمجھے۔ اس لیے کہ میں تنہا سمندر پر چلنا چاہتا ہوں۔

میرے دوست!

جب تیرے دن کا سورج چمکتا ہے، تو میری رات کی تاریکی قریب آتی ہے۔ اس کے باوجود میں، اپنی ظلمت کے پردوں کے پیچھے سے، سورج کی سنہری کرنوں کی بات کرتا ہوں، جو دوپہر کے وقت پہاڑوں کی چوٹیوں پر ناچتی ہیں۔ وادیوں اور کھیتوں کے ان گھنے سایوں کا ذکر چھیڑتا ہوں، جن کی حکایت یہ کرنیں، اپنے رقص میں بیان کرتی ہیں
میں ان سب چیزوں کی باتیں تجھ سے کرتا ہوں، اس لیے کہ تو میری ظلمت کے گیت نہیں سن سکتا۔ ستاروں میں میرے بازوؤں کو پھڑپھڑاتے نہیں دیکھ سکتا۔

اور کتنی خوشگوار ہے یہ بات کہ تو نہ یہ سن سکتا ہے، نہ یہ دیکھ سکتا ہے۔ اس لیے کہ میں رات سے تنہا باتیں کرنی پسند کرتا ہوں۔

میرے دوست!

جب تو اپنے آسمان پر چڑھتا ہے تو میں اپنے جہنم میں اترتا ہوں۔

اور باوجودیکہ میرے درمیان ایک ناقابلِ عبور کھاڑ حائل ہوتا ہے۔ تو مجھے
پکارتا رہتا ہے:

"میرے ساتھی! میرے دوست!"

اور میں جواب میں کہتا ہوں:

"میرے ساتھی! میرے دوست!"

اس لیے کہ میں نہیں چاہتا: تو میرا جہنم دیکھے۔ اس کے شعلے
تیری آنکھوں کو جلادیں گے اور اس کا دھواں تیرے نتھنوں کی ڈاٹ
بن جائے گا۔

رہا میں، سو مجھے گوارا نہیں کہ تجھ سا شخص میرے جہنم میں آئے۔
اس لیے کہ میں تنہا اپنے جہنم میں رہنے کو ترجیح دیتا ہوں۔

میرے دوست!

تو کہتا ہے:

"مجھے حق، بزرگی اور حسن سے عشق ہے۔"

اور میں بھی تیری تقلید میں کہتا ہوں کہ اس قسم کے اوصاف و فضائل
سے عشق کرنا انسان کو زیبا ہے۔ لیکن میں اپنے دل میں تیری محبت پر ہنستا

ہوں، اور اپنی ہستی تجھ سے چھپاتا ہوں - اس لیے کہ میں تنہا ہنسنا چاہتا ہوں۔

میرے دوست!

تو ایک فاضل - بیدار مغز اور عقل مند شخص ہے ---- بلکہ تو ایک مکمل انسان ہے، اس لیے میں تیری بندگی کا انتہائی پاس کرتے ہوئے تجھ سے حکمت و ہوشمندی کی باتیں کرتا ہوں ---- لیکن میں دیوانہ ہوں اور اس عالم سے، جس میں تو رہتا ہے، ایک دُور دراز اور اجنبی عالم کی طرف کھنچا جا رہا ہوں۔

مَیں تجھ سے اپنی دیوانگی چھپاتا ہوں، اس لیے کہ میں تنہا و بیاد رہنا چاہتا ہوں۔

اے پیچھے والے!

تو میرا دوست نہیں ہے، لیکن مجھے مطمئن کرنے کی سبیل کیا ہے، تاکہ تو جان لے اور سمجھ لے!

میرا رستہ تیرے رستے سے الگ ہے، لیکن ہم دونوں پہلو بہ پہلو چل رہے ہیں۔

اُچپاٹا[1]

میں نے ایک مرتبہ اُچپٹے سے کہا:

"اس کھیت میں تنہا کھڑے کھڑے تم اُکتاتے نہیں؟"

اُس نے جواب دیا:

"ڈرانے میں مجھے بے پایاں لذّت ملتی ہے، اس لیے میں اپنے کام سے خوش ہوں، اور مجھے کوئی اُکتاہٹ محسوس نہیں ہوتی۔"

میں نے تھوڑی دیر سوچا اور پھر کہا:

"تم ٹھیک کہتے ہو! مجھے بھی ایک دفعہ اس سے سابقہ پڑا ہے اور

---

[1] کھیتوں میں پرندوں کو ڈرانے کے لیے ایک پتلا بنا کر کھڑا کر دیتے ہیں۔ وہ اصطلاحی زبان میں اُچپٹا کہلاتا ہے۔

میں نے بھی اپنے اندر یہ لذّت محسوس کی ہے۔"

وہ بولا:

"یہ تمہارا وہم ہے! اس لذّت کا مزہ وہی جانتا ہے جس میں میری طرح گھاس پھونس اور گودڑ بھرا ہو۔"

یہ سن کر میں اس کے پاس سے چل کھڑا ہوا۔ خدا جانے اس نے میری تعریف کی تھی یا تنقیص!

ایک سال گزر گیا اور اس دوران میں اچھا فلسفی اور علامہ ہو گیا۔

دوبارہ جب میں اس کے پاس سے گزرا، تو دو کوّوں نے اس کے سر پر گھونسلے بنا لیے تھے۔

نیند اور بیداری کے درمیان

میری جنم بھومی میں دو عورتیں —— ماں اور بیٹی —— رہتی تھیں جنہیں خواب خرامی کا عارضہ تھا۔

گرمیوں کی ایک حسین و پُرسکون رات میں، ماں بیٹیاں اپنی عادت کے مطابق اُٹھیں اور —— نیند کی حالت میں —— اپنے باغیچے میں ٹہلنے لگیں، جو کُہر میں لپٹا ہوا تھا۔

ٹہلتے ہوئے ماں نے بیٹی سے کہا:

”خدا تجھے غارت کرے! میری جان کی دُشمن! تو نے میری جوانی برباد کر دی، اور میری زندگی کے کھنڈروں پر اپنی زندگی کی عمارت بنائی۔ کاش! میں تجھے قتل کر سکتی۔“

لڑکی جواب میں بولی :

"اسے قابلِ نفرت عورت! اے خود غرض بڑھیا کھوسٹ! تو میرے اور میری آزاد ذات کے درمیان دیوار بنی، کھڑی ہے اور چاہتی ہے کہ میری زندگی تیری پرانی اور بوسیدہ زندگی کی صدائے بازگشت ہو جائے۔ کاش! تجھے موت آئے۔"

اُسی لمحے مُرغ نے اذان دی اور وہ دونوں سوتے سے جاگ اُٹھیں ۔ اس کے بعد بھی وہ باغیچے میں ٹہلتی رہیں۔

ماں نے ممتا بھرے لہجے میں کہا :

"یہ تو ہے ؟ میری کبوتری !"

اور بیٹی نے شیریں لہجے میں جواب دیا :

"ہاں! میں ہوں تمہارے کلیجے کی ٹھنڈک! میری پیاری امّاں جان!"

عقل مند کُتّا

ایک دن، ایک عقل مند کُتّا بلیوں کی ایک ٹولی کے پاس سے گزرا۔ جب وہ اُن کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ وہ اس سے نہ موڑے بیٹھی ہیں۔ اس کے آنے کی کسی کو پروا نہیں۔ اسے بڑا تعجب ہُوا اور وہ اپنے قدم روک کر اُن کے متعلق سوچنے لگا ـــــ

وُہ اُنھیں تک ہی رہا تھا کہ اُن میں سے ایک موٹی تازی بلّی اُٹھی۔ جس کے چہرے پہ وقار اور جلال کے آثار تھے اور اپنی سہیلیوں کی طرف دیکھ کر بولی:

"دین دار بہنو۔ دُعا کرو۔ میں تم سے سچ کہتی ہوں کہ اگر تم نے دعا مانگی اور ایمان کی حرارت کے ساتھ، بار بار اس کا اعادہ کیا تو تمھاری

التجا قبول ہو گی اور اسی وقت آسمان سے چوہے برسنے لگیں گے۔"

عقل مند کتے نے جب یہ بلیغ وعظ سنا تو دل ہی دل میں اُن پہ ہنسا اور اپنے آپ سے یہ کہتا ہوا واپس ہو گیا :

"کتنی جاہل ہیں یہ بلیاں اور کتنی اندھی ہیں ان کی بصیرتیں۔ کتابوں میں لکھی ہوئی باتوں کے ادراک سے! کیا لکھا ہوا نہیں ہے؟ بلکہ کیا میں نے خود نہیں پڑھا اور میرے بزرگوں نے مجھے نہیں بتایا کہ دعاؤں اور التجاؤں کے قبول ہونے پہ آسمان سے چوہے نہیں ہڈیاں برستی ہیں؟"

دو درویش

ایک بلند پہاڑ کی چوٹی پر دو درویش رہتے تھے۔ وہ دن رات خدا کی عبادت کرتے اور ایک دوسرے پر جان چھڑکتے تھے۔

ان دونوں کے پاس مٹی کا ایک پیالہ تھا اور یہی اُن کی کُل کائنات تھی۔

ایک دن شیطان نے بوڑھے درویش کو ورغلایا۔ وہ اپنے جوان ساتھی کے پاس آیا اور اس سے کہنے لگا:

"ہم ایک مدت سے رہتے چلے آرہے ہیں۔ لیکن اب ہماری جدائی کا وقت آگیا ہے۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ ہم اپنی ملکیتیں تقسیم کرلیں۔"

جوان درویش کو یہ سُن کر بڑا دُکھ ہوا اور اس نے جواب میں کہا:

"آپ کی قسم! میرے بھائی - یہ جدائی میرے دل پہ شاق گزر رہی ہے - لیکن آپ نے جانے کی ٹھان ہی لی ہے تو آپ کی مرضی"!

اس کے بعد اس نے مٹی کا پیالہ اُٹھایا اور کہا:

"محترم بھائی! ہماری پونجی لے دے کے بس مٹی کا ایک پیالہ ہے اور یہ تقسیم نہیں ہو سکتا - اس لیے میرے خیال میں یہ آپ ہی لے لیجیے"!

بوڑھا درویش غصے سے بے آپے ہو گیا اور بولا:

"میں تم سے بھیک نہیں مانگ رہا ہوں - نہ وہ چیز قبول کروں گا، جو میری نہیں ہے - یہ پیالہ ضرور تقسیم ہوگا تاکہ ہم دونوں کو اپنا اپنا حصہ مل جائے"۔

جوان درویش نے نرمی کے لہجے میں کہا:

"اگر ہم نے یہ پیالہ تقسیم کر لیا تو اس سے آپ کو یا مجھے کیا فائدہ پہنچے گا؟ آپ پسند کریں، تو آئیے! قرعہ اندازی کیے لیتے ہیں"۔

بوڑھا درویش بولا:

"میں صرف وہی حصہ لینا چاہتا ہوں، جو از روئے انصاف مجھے پہنچتا ہے - اور میں ہرگز اس اندھی قرعہ اندازی پر رضا مند نہیں ہوں گا

جس سے انصاف کی قیمت گر جائے۔ جو مجھے، انصاف سے مُنہ موڑنے

والا جواری اور میرے حصّے کو ایک اناڑھا داؤں بنا دے۔ میں تو آدھا

پیالہ ہی لوں گا۔"

جوان درویش کے لیے اب مزید بحث و گفتگو کی گنجائش نہ تھی۔

اس نے کہا:

"پیارے بھائی! اگر واقعی آپ کی مرضی یہی ہے اور جو کچھ آپ

نے فرمایا ہے، وہی چاہتے ہیں تو چلیے! ہم پیالہ تقسیم کر لیتے ہیں"۔

بوڑھے درویش کا منہ مارے غصے کے تمتما اُٹھا۔ اس نے چلّا کر

کہا:

"خدا تجھے غارت کرے! اسے کاہل اور بے قدر انسان! تو کتنا

بزدل ہے اور جھگڑے سے کس قدر بھاگتا ہے!"

ڈھونڈے گا، سو پائے گا

پرانے زمانے میں ایک شخص تھا، جس کے پاس وادی بھر سوئیاں تھیں۔
ایک دن مریمؑ — اُمِّ مسیحؑ — اس کے پاس گئیں اور کہا:
"جناب! میرے بیٹے کی چادر پھٹ گئی ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ اس کے ہیکل جانے سے پہلے اس کی چادر سی دوں۔ کیا آپ ایک سوئی مجھے قرض دے سکتے ہیں؟"
اس نے سوئی تو نہ دی۔ لیکن اپنے خزانۂ علم و فکر سے ایک پندِ ارجمند:
"ڈھونڈے گا، سو پائے گا۔" عطا فرمادی کہ اپنے نورِ نظر کے ہیکل جانے سے پہلے اُسے پہنچادیں۔

(۷) سات شخصیتیں

گہری رات کی خاموشی میں، جب کہ مجھ پر غنودگی طاری ہونے لگی تھی، میری سات شخصیتیں بیٹھ کر آپس میں باتیں کرنے لگیں۔

پہلی شخصیت نے کہا:

"مجھے اس دیوانے میں رہتے برسوں گزر گئے ہیں اور میرا کام اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ دن کو اس کے درد والم اور رات کو اس کے رنج و غم کی تجدید کرتی رہوں۔ یہ اُکتا دینے والا کام کرتے کرتے مجھے اپنے آپ سے نفرت ہو گئی ہے۔ اب میں اس کے خلاف بغاوت کرنے والی ہوں۔"

اس کے جواب میں دوسری شخصیت بولی:

"بہن! تم مجھ سے زیادہ خوش نصیب ہو۔ میرے لیے تو یہ مقدر

کیا گیا ہے کہ میں اس دیوانے کی خوشیوں اور شادمانیوں میں شریک ہوں۔

یہ ہنسے تو ہنسوں۔ اس کے لمحاتِ عیش و سرور میں گاؤں اور اس کے

برق پیما افکار کے پیچھے بجلی کی سی تیزی سے ناچوں۔ اگر بغاوت ہی ہونی

ہے، تو مجھ سے زیادہ اس کا مستحق کون ہے؟"

تیسری شخصیت نے کہا:

"آہ! سہیلیو! میرا کام تم دونوں کے کاموں سے زیادہ بغاوت پر

اُبھارنے والا ہے۔ میں وہ شخصیت ہوں جسے محبت کا روگ کھائے

جا رہا ہے، جو شوق کی آگ میں پھنک رہی ہے اور جسے شیفتگی و فریفتگی

نے کہیں کا نہیں چھوڑا۔ اس دیوانے کے خلاف بغاوت کرنا میرا ہی

کام ہے۔ میں مایوسی و بدبختی کی شخصیت ہوں۔"

چوتھی شخصیت بولی:

"سہیلیو! تم سب سے زیادہ بدنصیب میں ہوں۔ میری قسمت میں یہ

لکھ دیا گیا ہے کہ میں اس دیوانے کے دل میں بغض و حسد کے چھپے ہوئے

جذبات کو اُبھاروں اور نفرت و کراہت کے شعلوں کو بھڑکاؤں

اس لیے میں، جو دوزخ کے تاریک غاروں میں پیدا ہونے والی ہیجان و

شورش سے بھرپور شخصیت ہوں۔ اپنے کام کے خلاف بغاوت کرنے کی تم سب سے زیادہ مستحق ہوں۔"

پانچویں شخصیت نے کہا:

"بہنو! جو اچھے کام تمہارے سپرد کیے گئے ہیں، اگر ایسا ہی کوئی کام میرے سپرد کیا جاتا، تو میں تم سب سے زیادہ خوش ہوتی۔ لیکن زمانے نے مجھے اس لیے منتخب کیا ہے کہ میں اس دیوانے کے لامتناہی خوابوں کی تجدید کرتی رہوں، اس کی کبھی نہ مٹنے والی بھوک اور کبھی نہ بجھنے والی پیاس کو بھڑکاتی رہوں۔ راحت کا ایک سانس لیے بغیر اس کے ساتھ ناپیدا کنار فضاء میں بھٹکتی رہوں، اس چیز کی تلاش میں۔ جسے کوئی نہیں جانتا اور جو ابھی تک وجود میں ہی نہیں آئی۔ چنانچہ بغاوت و سرکشی کے باب میں مجھے تم سب پر تقدم حاصل ہے۔"

چھٹی شخصیت بولی:

"بہنو! کتنی خوش نصیب ہو تم اور کتنی بدبخت اور قسمت کی ہیٹی ہوں میں! میں وہ حقیر کارکن شخصیت ہوں، جو اپنے کانپتے ہاتھوں اور محروم خواب آنکھوں سے اپنے دنوں کی تصویریں کھینچتی ہے اور

بے مایہ عدیم الشکل عناصر کو حسین ابدی صورتیں عطا کرتی ہے - ایسی صورت میں اگر انتقام و بغاوت کا حق پہنچتا ہے، تو وہ مجھ سی بے سہارا اور بے زبان شخصیت کو پہنچتا ہے۔"

ساتویں شخصیت نے ان سب کے چہروں کی طرف دیکھا اور کہا:

"افسوس ہے تم سب پر! محض اس لیے کہ تم میں سے ہر ایک کو ایک محدود کام سپرد کیا گیا ہے، اس غریب و مسکین شخص کے خلاف تمہاری بغاوت کتنی عجیب ہے! کیا ہی اچھا ہوتا، اگر تمہارے کاموں کی طرح زمانہ مجھے بھی کوئی محدود کام دے دیتا! میں ایک فضول شخصیت ہوں - جس کے لیے کوئی کام نہیں - میں ہمیشہ دولتہا بتوں خاموشی اور تاریکی کے درمیان بیٹھی رہتی ہوں، جبکہ تم میں سے ہر ایک زندگی کے مظاہر میں رنگارنگی پیدا کر کے اس کی تجدید میں مصروف رہتی ہے تمہیں قسم ہے، اپنے پروردگار کی میری بہنو! مجھے بتاؤ، ہم میں بغاوت کرنے کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے، تم یا میں؟"

جب ساتویں شخصیت نے اپنی بات ختم کی، تو چھوں شخصیتوں نے اسے ہمدردی و دل سوزی کی نگاہ سے دیکھا اور کسی نے کوئی

جواب نہ دیا

جب رات کی تاریکی گہری ہوئی، تو چھ شخصیتیں چین کی نیند سو گئیں

اُن کے دل کی گہرائیوں میں اطمینان جاگزیں ہو گیا تھا کہ ایک محارِ وفرض

ان کے سپرد کر کے اُن پر انعام کیا گیا ہے۔

لیکن ساتویں شخصیت بُت بنی بیٹھی رہی، اس کی نظریں اُس

لاشئے کو تاک رہی تھیں، جو ہر شے کے پس منظر میں موجود ہے!

جنگ

ایک رات امیر کے محل میں شادی تھی اور مہمان آ جا رہے تھے۔
اتنے میں ایک شخص آنے والوں کے ساتھ آیا اور امیر کو وقار و احترام سے سلام کیا۔ حاضرین نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا کیونکہ اس کی ایک آنکھ غائب تھی اور ڈھیلا نکلی آنکھ سے خون بہہ رہا تھا۔

امیر نے اس سے پوچھا:

"یہ تمہیں کیا ہوا؟"

اس شخص نے جواب میں عرض کی:

"عالی جاہ! میں چور ہوں۔ اپنی عادت کے مطابق آج رات کی تاریکی کو میں نے غنیمت سمجھا اور ایک صراف کے ہاں چوری کو گیا۔ میں نے

صراف کی دکان میں داخل ہونے کے لیے دیوار پھاند لی تھی کہ رستہ
بھول گیا اور دکان میں جانے کی بجائے کھڑکی میں سے صراف کے
پڑوسی جولاہے کے مکان میں گھس گیا۔ میں بھاگنے کے لیے پلٹا،
لیکن تاریکی اس بلا کی تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ نہ سوجھتا تھا۔ چنانچہ جولاہے کی
تال میری آنکھ میں لگی اور وہ پھوٹ گئی۔ میں اس وقت اعلیٰ حضرت
کی خدمت میں اس لیے حاضر ہوا ہوں کہ جولاہے کے معاملے میں میرے
ساتھ انصاف کیا جائے۔"

امیر نے آدمی بھیج کر جولاہے کو طلب کیا۔ اور وہ اسی وقت حاضر
کر دیا گیا۔ امیر نے حکم دیا کہ اس کی آنکھ نکال لی جائے۔

جولاہا بولا:

"عالی جاہ! آپ نے بالکل درست فیصلہ فرمایا۔ انصاف کا
یہی تقاضا ہے کہ میری آنکھ نکال لی جائے۔ لیکن حضور کی سطوت و
عظمت سے ڈرتے ڈرتے میری عرض ہے کہ مجھے اپنے پیشے کے لیے دونوں
آنکھوں کی ضرورت ہے، تاکہ جو کپڑا میں بنتا ہوں، اس کے دونوں
کناروں کو دیکھ سکوں۔ البتہ ایک موچی میرا پڑوسی ہے، جس کی

میری طرح دو آنکھیں ہیں - لیکن اسے اپنے کام کے لیے ایک ہی آنکھ
کی ضرورت ہے - اس لیے اگر حضور چاہیں تو اُسے بُلا لیں اور قانون
کی حفاظت کے لیے اس کی ایک آنکھ نکلوا دیں -

امیر نے اُسی وقت موچی کو بلوا بھیجا اور جب وہ حاضر ہوا تو اس
کی ایک آنکھ نکلوا دی گئی -

اور اس طرح انصاف کا تقاضا پورا ہو گیا -

لومڑی

دن نکلتے لومڑی اپنے بھٹ سے نکلی اور اپنے سائے کو
حیرت سے دیکھتے ہوئے بولی:

"آج میں ایک اونٹ کھاؤں گی۔"

اس کے بعد وہ اپنی راہ چلی گئی اور دن کا پہلا پہر اونٹ کی تلاش
میں گزار دیا۔ دوپہر کے وقت اس نے اپنے سائے کو دوبارہ دیکھا
اور اچنبھے سے کہنے لگی:

"ارے! میرے لیے تو ایک چوہا ہی کافی ہے"!

دانش مند بادشاہ

کسی دُور دراز شہر میں ایک صاحب جبروت دانش مند بادشاہ تھا۔ اس کی سطوت اور دبدبے کی وجہ سے لوگ اس سے ڈرتے تھے اور اس کی دانش مندی کی وجہ سے اس سے محبت کرتے تھے

اس شہر کے وسط میں شفاف اور شیریں پانی کا ایک کنواں تھا۔ سارا شہر، جس میں بادشاہ اور اس کے حاشیہ نشین بھی شامل تھے اسی کنوئیں کا پانی پیتا تھا۔ اس لیے کہ شہر میں اور کوئی کنواں تھا ہی نہیں۔

ایک رات کا ذکر ہے، سارا شہر سویا پڑا تھا کہ ایک جادو گرنی چپکے سے شہر میں آئی اور ایک عجیب و غریب سیّال کے سات قطرے

کنوئیں میں ڈال کر بولی :

"اب جو کوئی اس کنوئیں کا پانی پیے گا دیوانہ ہو جائے گا۔"

دوسرے دن سارے شہر والوں نے کنوئیں کا پانی پیا اور جیسا کہ جادوگرنی نے کہا تھا، دیوانے ہو گئے لیکن بادشاہ اور وزیر نے وہ پانی نہیں پیا۔

جب یہ خبر شہر میں پہنچی، تو لوگ محلے محلے اور کوچے کوچے کا طواف کرنے لگے اور ان میں باہم سرگوشیاں ہونے لگیں :

"ہمارے بادشاہ اور وزیر پاگل ہو گئے ہیں۔ ہمارے بادشاہ اور وزیر اپنی عقل کھو بیٹھے ہیں۔ ہم ایک دیوانے بادشاہ کو اپنے اوپر حکومت کرنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ آؤ، اسے تخت سے اتار دیں۔"

شام کو یہ سارا ماجرا بادشاہ کے گوش گزار کیا گیا۔ اس نے فوراً حکم دیا کہ سونے کی کٹوری میں ——— جو اسے اپنے آبا و اجداد سے ورثے میں ملی تھی ——— کنوئیں کا پانی بھر لائیں۔ اسی وقت حکم کی تعمیل کی گئی اور پانی بادشاہ کی خدمت میں حاضر کر دیا گیا۔ بادشاہ

نے کٹوری اپنے ہونٹوں سے لگائی اور ایک دو گھونٹ لے کر وزیر کے حوالے کر دی۔ وزیر نے اس کا ایک ایک قطرہ تک پی لیا۔

جب شہر والوں کو اس کا پتہ چلا، تو انھوں نے خوشی کے شادیانے بجائے کہ بادشاہ اور اس کے وزیر دونوں کو ان کی عقل واپس مل گئی۔

حوصلہ مندی

تین شخص شراب خانے کی ایک میز پر بیٹھے تھے۔ ان میں ایک
جلاہا تھا، دوسرا بڑھئی اور تیسرا گورکن۔

جلاہے نے اپنے ساتھیوں سے کہا:

"آج میں نے کتاں کا ایک نہایت عمدہ کفن دو دینار میں بیچا ہے،
اس لیے ہم اپنی پسند کی شراب پئیں گے۔"

اس کے جواب میں بڑھئی بولا:

"اور میں نے آج سب سے قیمتی تابوت، جو میرے پاس تھا،
فروخت کیا ہے۔ اس لیے ہم شراب کے ساتھ پُرتکلف کباب بھی
کھائیں گے۔"

آخر میں گورکن نے کہا:

"میں نے آج صرف ایک ہی قبر کھودی ہے۔ لیکن قبر کھدوانے والوں نے مجھے اس کی دوگنی اجرت دی ہے۔ اس لیے تھوڑا سا شہد بھی آج ہمارے لیے حلال ہے۔"

کلال کی بیوی نے اس رات ان کی خوب خاطر مدارات کی۔ کیونکہ انھوں نے بار بار شراب۔ کباب اور شہد منگوایا تھا اور وہ خوشی سے ناچ رہے تھے۔

لیکن کلال گھڑی گھڑی اپنی بیوی کو دیکھ رہا تھا اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ اس کی آنکھیں جو کچھ دیکھ رہی تھیں اس کے دل کو اس کا یقین نہ آتا تھا، اور یقین آتا بھی کیسے۔ اس کے تینوں مہمان بڑی بے دردی سے روپیہ خرچ کر رہے تھے۔

تینوں شرابی رات کی آخری ساعت تک شراب خانے میں بیٹھے کھاتے اور پیتے رہے، اور جب اُن کا جی ہر چیز سے سیر ہو گیا تو گاتے اور شور مچاتے وہاں سے رخصت ہو گئے۔

کلال اور اس کی بیوی شراب خانے کے دروازے پہ کھڑے

تھے اور اُن کی نگاہیں اپنے مہمانوں کی مشایعت کر رہی تھیں۔

عورت نے اپنے شوہر سے کہا:

"کیا ہی اچھا ہو، اگر قسمت روزانہ ہمارے پاس ایسے ہی نیک کرے شریف اور دریادل لوگ بھیج دیا کرے۔ ایسی صورت میں ہم اپنے اکلوتے بیٹے کو اس گندے شراب خانے کی خدمت سے سبکدوش کر کے اس کی تعلیم کا انتظام کر سکتے ہیں تاکہ آگے چل کر وہ پادری بن جائے۔

نئی لذّت

پچھلی رات میں نے ایک نئی لذّت ایجاد کی۔

اور جب میں پہلی بار اس سے متمتع ہو رہا تھا، میں نے اپنے دروازے پر ایک فرشتے اور ایک شیطان کو کھڑے دیکھا، جو میری لذّت کی تعریف و توجیہہ میں ایک دوسرے سے لڑ جھگڑ رہے تھے۔

ایک بلند آواز سے چلّا رہا تھا:

"یہ ایک ہلاکت آفریں گناہ ہے!"

اور دوسرا اس سے بھی بلند آواز میں کہہ رہا تھا:

"نہیں! میری جان کی قسم! یہ فضیلت ہے!"

دوسری زبان

میری پیدائش کے تیسرے دن کی بات ہے، میں اپنے ریشمی پنگورے میں لیٹا، اس نئی دُنیا میں، اپنے گرد و پیش کو ایک عجیب رنج و غمگینی کے ساتھ، سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

میری ماں نے دایہ سے پوچھا:

"آج میرے بچے کا کیا حال ہے؟"

اس نے جواب دیا:

"جی! بچہ ٹھیک ٹھاک ہے۔ میں نے اسے تین دفعہ دودھ پلایا ہے۔ اس سے پہلے ایسا چونچال بچہ میں نے کبھی نہیں دیکھا۔"

یہ سُنتے ہی میرے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ میں چیخ اٹھا:

"یہ جھوٹ بول رہی ہے - امّی! یہ جھوٹ بول رہی ہے - میرا بستر سخت اور کھُردرا ہے - جو دودھ اس نے مجھے پلایا ہے - اس کا مزا کڑوا تھا اور اس کی چھاتی کی بُو سے میری ناک پھٹنے لگی تھی - میں بڑی اذیت اور بدبختی میں ہوں - امّی!"

لیکن نہ میری ماں میری زبان سمجھی اور نہ میری دایہ کی سمجھ میں آیا، جو میں نے کہا - میں جس زبان میں ان سے بات کر رہا تھا وہ اُس دُنیا کی زبان تھی جہاں سے میں آیا تھا -

میری ولادت کے اکیسویں دن ـــــ اور اسی دن مجھے بپتسمہ دیا جانے والا تھا، کاہن نے میری ماں سے کہا:

"میں آپ کو مبارک باد دیتا ہوں - آپ کا بچہ پیدائشی عیسائی ہے"

میں نے حیرت زدہ ہو کر کاہن سے کہا:

"اگر بات یہی ہے، جو تم کہہ رہے ہو تو سب سے زیادہ تمہاری ماں کو، جو اس وقت دوسرے جہان میں ہے تمہاری وجہ سے بدبخت ہونا چاہیے - کیونکہ تم عیسائی پیدا نہ ہوئے تھے"

لیکن جو کچھ میں نے کاہن سے اپنی زبان میں کہا تھا، وہ اُسے

نہ سمجھا۔

سات مہینے کے بعد ایک نجومی ہمارے پاس آیا اور میرے چہرے کو دیر تک دیکھنے کے بعد میری ماں سے کہنے لگا:

"تمہارا یہ بیٹا ایک زبردست رہنما ہوگا اور لوگ اس کی اتباع کریں گے۔ اس کا حلقۂ اطاعت اپنے گلے میں ڈالیں گے۔"

میں بلند آواز میں چلایا:

"یہ جھوٹی پیشین گوئی ہے۔ میں اپنے آپ کو جانتا ہوں۔ مجھے یقینی طور پر معلوم ہے کہ میں موسیقی کی تعلیم حاصل کروں گا اور ایک موسیقار کے سوا کچھ نہ بنوں گا۔"

یہ دیکھ کر میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ ایک شخص بھی میری زبان نہ سمجھا۔ حالانکہ میں اپنی عمر کے اس حصے کو پہنچ گیا تھا۔

اس بات کو تینتیس برس ہو چکے ہیں اور میری ماں، دایہ اور کاہن ——— خدا ان سب کی روحوں پر اپنی رحمت کا سایہ کرے۔ مر چکے ہیں۔ لیکن نجومی ابھی تک زندہ ہے اور بڑے آرام کی زندگی بسر کر رہا ہے کل میں نے اسے ہیکل کے سامنے دیکھا۔ میری اس کی بات چیت ہوئی

اور میں نے اسے بتایا کہ میں موسیقاروں کی صف میں شامل ہو گیا ہوں۔

یہ سُن کر وہ بولا:

"مجھے بہت پہلے سے یقین تھا کہ تم ایک بہت بڑے موسیقار بنو گے چنانچہ تمہارے بچپن ہی میں، میں نے تمہاری ماں کو تمہارے اس مستقبل کی خبر دے دی تھی۔"

میں نے اس کی بات پر یقین کر لیا کیونکہ اب میں خود اس دُنیا کی زبان بھول چکا ہوں، جہاں سے میں آیا تھا۔

انار

ایک دفعہ میں انار کے دل میں جا کر رہا۔ ایک دن، جب کہ میں اپنے خلیے میں بیٹھا تھا، میں نے ایک دانے کو کہتے سُنا:

"ہو گے چل کر میں ایک بلند درخت بن جاؤں گا، جس کی شاخوں کے ساز پر ہوائیں گائیں گی اور جس کے پتوں پر سورج کی کرنیں رقص کریں گی۔ اور جیسے جیسے موسم گزرتے جائیں گے، میں حسین اور طاقت ور ہوتا جاؤں گا۔"

اس کے جواب میں دوسرا دانہ بولا:

"دوست! تم انتہائی نادان ہو! میں بھی جب تمہاری طرح چھوٹا تھا، تو ایسے ہی خواب دیکھا کرتا تھا۔ لیکن جب میں ہر چیز کو ناپ تول

کہ، اس کی حدود قائم کرنے پر قادر ہو گیا، تو مجھے معلوم ہُوا کہ میری تمام امیدیں جھوٹی تھیں"۔

اس کے بعد تیسرے دانے نے کہا:

"مجھے تو ہمارے اندر کوئی ایسی بات نظر نہیں آتی، جو اس جیسے عظیم مستقبل کی خبر دیتی ہو"۔

چوتھا دانہ اس کے جواب میں بولا:

"اگر زندگی ہمیں کسی حسین اور شاندار مستقبل تک نہیں پہنچاتی، تو پھر وہ کس کام کی"؟

اب پانچواں دانہ کھڑا ہُوا اور کہنے لگا:

"جب ہم یہی نہیں جانتے کہ آج کیا ہیں، تو اس پر بحث و تکرار کیوں کریں کہ کل کیا ہوں گے"؟

اس پر چھٹا دانہ بولا:

"جو ہم آج ہیں، وہی ہمیشہ رہیں گے"۔

پھر ساتویں دانے نے کہا:

"میرے ذہن میں مستقبل کی واضح تصویر ہے۔ لیکن میں اسے الفاظ

میں بیان نہیں کر سکتا۔"

اس کے بعد آٹھواں دانہ بولا، پھر نواں، پھر دسواں یہاں تک کہ تمام دانے بولنے لگے اور بعد ازاں آوازوں کی کثرت و شدت کے سبب کچھ نہ سمجھ سکا۔

میں نے اسی دن انبار کو خیرباد کہا اور ایک بھی میں آکر سکونت اختیار کر لی، جس میں تھوڑے سے دانے ہیں اور وہ سکون و خاموشی کے ساتھ رہتے ہیں۔

دو پنجرے

میرے والد کے باغ میں دو پنجرے تھے۔

ایک میں شیر تھا، جسے میرے والد کے غلام نینوی کے جنگلوں سے پکڑ کر لائے تھے اور دوسرے میں ایک چہکتی مینا، جو گانے سے کبھی نہ تھکتی تھی۔

مینا روزانہ صبح کو شیر کے پاس آتی اور اسے سلام کرتے ہوئے کہتی:

"میرے قیدی بھائی! صبح بخیر!"

تین چیونٹیاں

تین چیونٹیاں ایک شخص کی ناک پر جمع ہوئیں ، جو دھوپ میں سو رہا تھا۔ انھوں نے ، اپنے اپنے قبیلے کی رسم کے مطابق ، ایک دوسرے کو سلام کیا اور کھڑے ہوکر باتیں کرنے لگیں۔

پہلی چیونٹی نے کہا :

"یہ ٹیلے اور میدان ، جہاں آج ہم ہیں ، ان سے زیادہ روئے زمین پر کوئی بنجر علاقہ میں نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھا۔ میں سارے دن اس تلاش میں پھرتی رہی ہوں کہ کسی قسم کا کوئی دانہ مجھے مل جائے لیکن کامیابی نہیں ہوئی "

اس پر دوسری چیونٹی نے کہا :

"میں اپنے قبیلے والوں کو دیر سے ایک ایسی جگہ کے متعلق باتیں کرتے سنتی چلی آئی ہوں، جسے وہ خشک اور چٹیل زمین کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اس سرزمین کی حرکت و گردش کے بارے میں ان کی بہت سی رائیں ہیں۔ معلوم ہوتا ہے: آج ہم اسی سرزمین میں ہیں۔ کیونکہ میں اس کے ایک ایک موڑ پر گئی ہوں۔ اس کے ایک ایک گوشے میں پھری ہوں اور میں نے بذاتِ خود اس کی حقیقت سے آگاہی حاصل کی ہے۔"

اب تیسری چیونٹی نے اپنا سر اُٹھایا اور بولی:

"پیاری سہیلیو! اس وقت ہم ایک بہت بڑی چیونٹی کی ناک پر کھڑے ہیں ـــــ اس چیونٹی کی ناک پر جو انتہائی طاقت ور اور بے حد و نہایت ہے جس کا جسم اتنا بڑا ہے کہ ہماری آنکھیں اُسے نہیں دیکھ سکتیں جس کا سایہ اتنا پھیلا ہوا ہے کہ ہمارے پیمانے اُسے ناپ نہیں سکتے اور جس کی آواز اتنی بلند ہے کہ ہمارے کان اسے سُن نہیں سکتے۔ یہی وہ ازلی چیونٹی ہے، جس کے اطراف لا نہایت سے ملے ہوئے ہیں۔"

جب تیسری چیونٹی اپنی بات ختم کر چکی ، تو دونوں چیونٹیوں نے
ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور اس کی بات پر ہنسنے لگیں ۔ عین
اسی وقت سونے والے نے حرکت کی اور ہاتھ اُٹھا کر ناک کھجائی ،
جس سے تینوں چیونٹیاں پس کر رہ گئیں ۔

گورکن

ایک دن، جب کہ میں ایک میّت کو دفن کر رہا تھا، گورکن میرے
پاس آکر کھڑا ہوا اور کہنے لگا:

"صرف تمہی ایک شخص ہو، جسے میں اس قبرستان آنے والے تمام
آدمیوں سے زیادہ، عزت کی نظر سے دیکھتا ہوں۔"

میں نے کہا:

"تمہاری بات سے مجھے خوشی ہوئی۔ لیکن تمہارے دل میں سب
لوگوں سے زیادہ میری عزت کیوں ہے؟"

اس نے جواب دیا:

"تمہارے سوا جو بھی ہے، روتا ہوا آتا ہے اور روتا ہوا جاتا ہے
لیکن تم ہنستے ہوئے آتے ہو اور ہنستے ہوئے جاتے ہو۔"

ہیکل کی سیڑھیوں پہ

کل شام میں نے ایک عورت کو ہیکل کی سیڑھیوں پر بیٹھے دیکھا۔
اس کے ساتھ دو مرد بھی بیٹھے تھے: ایک اس کی دائیں طرف
اور دوسرا بائیں طرف۔ اور وہ دونوں اُسے دیکھ رہے تھے۔
میں نے حیرت کے ساتھ دیکھا کہ اس کے دائیں رخسار کا رنگ
اڑا ہوا تھا اور بایاں رخسار گلابی تھا۔

مقدّس شہر

نوعمری میں مجھے ایک شہر کے متعلق بتایا گیا کہ وہاں کے سارے باشندے مذہبی تعلیمات کے مطابق زندگی بسر کرتے ہیں۔ میں نے اپنے دل میں کہا:

"مجھے جلد سے جلد اس شہر میں پہنچنا چاہیے تاکہ اس کی بلند ترین برکتوں سے بہرہ اندوز ہو سکوں۔"

شہر چونکہ دُور تھا۔ اس لیے میں نے سفر کا پُورا پُورا سامان کیا اور چالیس دن کی مسافرت کے بعد اس کے قریب پہنچا۔ دوسرے دن جب میں شہر میں داخل ہوا، تو کیا دیکھتا ہوں کہ جو ہے وہ کانا اور ٹُنڈا ہے مجھے بڑی حیرت ہوئی اور میں نے اپنے دل میں کہا:

"کیا اس مقدس شہر میں رہنے والے ہر شخص کے لیے ضروری ہے

کہ وہ کانا اور ٹنڈا ہو"؟

اس کے بعد میں نے دیکھا کہ لوگ مجھ سے بڑی حیرت کے ساتھ

مجھے دیکھ رہے ہیں۔ انھیں میری آنکھ اور میرے ہاتھ پر حیرت تھی۔

وہ آپس میں چہ میگوئیاں کر رہے تھے کہ میں نے ان سے پوچھا:

"کیا یہی وہ مقدس شہر ہے، جہاں ہر شخص آسمانی کتاب کی تعلیمات

کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے"؟

وہ بولے:

"ہاں! یہی وہ شہر ہے"!

میں نے پوچھا:

"یہ تمھیں کیا ہو گیا ہے؟ تمھاری داہنی آنکھوں اور داہنے ہاتھوں

کو کیا ہوا"؟

ان کو میری حالت پر بڑا ترس آیا اور انھوں نے میری جہالت پر

رحم کھاتے ہوئے کہا:

"آؤ! ہم تمھیں بتاتے ہیں"۔

میں لوگوں کے ساتھ ساتھ ہو لیا۔ اُن میں سے ایک شخص مجھے ہیکل میں لے گیا، جو شہر کے وسط میں واقع تھا۔

جب میں ہیکل میں داخل ہُوا، تو میں نے دیکھا کہ ہیکل کے وسط میں بے نور آنکھوں اور سوکھے ہاتھوں کا ایک انبار لگا ہے۔ میں نے ان سے انتہائی حیرت و استعجاب کے عالم میں، پوچھا:

تمھیں قسم ہے اپنے پروردگار کی! مجھے بتاؤ! وہ کون خوں خوار حملہ آور ہے، جس نے تم پر چڑھائی کر کے تمھارے ہاتھ کٹوا دیے اور تمھاری آنکھیں نکلوا دیں؟

مجمع نے میری جہالت پر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے ایک تلخ آہ بھری۔ اُن میں سے ایک سن رسیدہ شخص میرے قریب آیا اور مجھ سے کہنے لگا۔

"اپنے ساتھ یہ سلوک خود ہمیں نے کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس بدی پر ہمیں فتح یاب فرمایا ہے، جو ہم پر نازل ہو گئی تھی اور ہم نے اُسے بیخ و بُن سے اُکھاڑ پھینکا ہے"۔

اس کے بعد وہ مجھے ایک اونچی قربان گاہ کی طرف لے گیا۔ لوگ

ہمارے پیچھے پیچھے تھے۔ قربان گاہ کے قریب پہنچ کر اس نے اپنی اُنگلی سے ایک آیت کی طرف اشارہ کیا، جو قربان گاہ کے اُوپر کندہ تھی اور مجھ سے اس کو پڑھنے کے لیے کہا۔ لکھا تھا:

اگر تیری سیدھی آنکھ تجھے شک میں مبتلا کرے، تو اُسے نکال کر پھینک دے۔ کیونکہ تیرے لیے ایک عضو کا ضائع ہونا اس سے بہتر ہے کہ تیرا سارا جسم جہنم میں جھونک دیا جائے"۔

اب میں ان کا راز پا گیا۔ میں نے چلا کر ان سے پوچھا:

"کیا تم میں کوئی مرد اور کوئی عورت نہیں، جس کی دونوں آنکھیں اور دونوں ہاتھ ہوں؟

جواب میں اُن لوگوں نے کہا:

"نہیں! ہم میں ایسا کوئی نہیں ہے، سوائے اُن بچوں کے، جو ابھی تک اُس عمر کو نہیں پہنچے کہ کتاب پڑھ کر اس کے احکام پر عمل کر سکیں"۔

جب ہم ہیکل سے نکلے، تو میں اس مقدس شہر سے بھاگ کھڑا ہوا، کیونکہ میں سنِ شعور کو پہنچ چکا تھا اور کتاب پڑھ سکتا تھا۔

یزداں واہرمن

ایک دفعہ یزداں واہرمن ایک پہاڑ کی چوٹی پر یک جا ہوئے،
یزداں نے اہرمن سے کہا:

"بھائی! صبح بخیر!"

لیکن اہرمن نے کوئی جواب نہ دیا اس پر یزداں نے کہا:

"رفیقِ من! معلوم ہوتا ہے، آج مزاج کچھ برہم ہے"۔

اہرمن نے جواب دیا:

"ہاں آج میں بہت کبیدہ خاطر ہوں۔ کیونکہ لوگ اس آخری زمانے میں میرے اور تمہارے درمیان تمیز کرنے سے قاصر ہو گئے ہیں۔ بہت سے لوگ مجھے تمہارے نام سے پکارتے ہیں اور میرے لیے تم سے

اور تمہارے نام سے زیادہ مکروہ کوئی چیز نہیں۔"

یزداں نے کہا:

"یا بد عزیز! یہی کچھ روزانہ میرے ساتھ ہوتا ہے۔ بہت سے لوگ مجھے تمہارے نام سے پکارتے ہیں اور مجھ پر تمہارا گمان کرتے ہیں۔"

یہ سن کر اہرمن اپنی راہ چلا گیا۔ وہ مارے غصے کے اپنے دانت پیس رہا تھا اور انسان کی حماقت و جہالت پر لعنت بھیج رہا تھا۔

میری شکست میں میری فتح ہے

اے میری شکست!

اے شکست!

اے میری وحدت اور میری تنہائی!

تو مجھے ہزاروں فتوحات سے زیادہ عزیز ہے۔ میرے دل کے لیے دنیا کی تمام رنگینیوں سے زیادہ خوشگوار ہے۔

اے میری شکست!

اے شکست!

اے میرے لیے اپنے نفس کا شعور!

اے میرے لیے اپنی ذات سے نفرت و حقارت!

تو نے مجھے بتایا کہ میں ابھی تک ایک تیز رفتار نوجوان ہوں اور اسی
لیے تو مجھے مرجھائے ہوئے فانی پھولوں کے تاج کا لالچ نہیں دیتی۔
تو نے مجھے میری وحدت و تنہائی سے بہرہ مند کیا اور میں نے فراد
و ذلت کا مزہ چکھا۔

اے میری شکست!
اے شکست!
اے میری شمشیر بُرّاں اور اے میری چمکتی ڈھال!
میں نے تیری آنکھوں میں پڑھا:
انسان جب حکومت کے تخت پر بیٹھتا ہے، تو غلام ہو جاتا ہے۔
جب لوگ اس کی روح کی گہرائیوں کو پا لیتے ہیں، تو اس کا
سفرِ حیات ختم ہو جاتا ہے۔
بلکہ وہ اس پھل کی مثال ہے، جو پکتا ہے، تو گر کر کھیل کھیل ہو جاتا ہے۔
اے میری شکست!
اے شکست!
اے میری دلبر و محبوب رفیقہ!

صرف تُو ہی میرے گیت، میری فریاد اور میرے سکوت کی آواز سُنتی ہے۔

تیرے سوا کوئی نہیں، جو مجھ سے، ہواؤں کی پھڑپھڑاہٹ، سمندروں کے جوش و ہیجان اور رات کی تاریکیوں میں شعلہ زن آتش فشانوں کے پھٹنے کا ذکر کرے۔

صرف تو ہی میرے نفس کی بلند اور قوی چٹانوں پہ چڑھتی ہے۔

اے میری شکست!

اے شکست!

اے میری کبھی نہ مرنے والی شجاعت!

تو میرے ساتھ آندھیوں اور طوفانوں پر قہقہے لگاتی ہے۔

میرے ساتھ اُن چیزوں کے لیے قبریں کھودتی ہے جو میرے اور تیرے وجود میں مرجاتی ہیں۔

اور میرے ساتھ، نہایت صبر و استقلال سے، سُورج کے سامنے کھڑی ہوتی ہے۔

پس ہم دونوں خوفناک بھی ہوتے ہیں اور خوف زدہ بھی!

رات اَور دیوانہ

دیوانہ

میں تیری طرح ہوں، اے رات! سیاہ اور برہنہ!

میں اس آتشیں رستے پر چلتا ہوں، جو میرے دن کے خوابوں کے اُوپر اُوپر جاتا ہے اور جہاں کہیں میرے پاؤں زمین کو لگتے ہیں۔ شاہ بلوط کا ایک قدآور درخت اُگ آتا ہے۔

رات

نہیں، اے دیوانے! تو میری طرح نہیں ہے۔

اس لیے کہ تو اب بھی ریت پر اپنے قدموں کے نشان دیکھنے کے لیے، مُڑ مُڑ کے دیکھتا ہے۔

دیوانہ

میں تیری طرح ہوں، اے رات! خاموش اور گہرا!
میری تنہائی کے دل میں، وہ دیوی لیٹی ہے، جس کے بطن سے ایک
علوی وجود جنم لینے والا ہے — وہ علوی وجود، جس میں جنّت اور
دوزخ یک جا ہوں گے۔

رات

اے دیوانے! تو میری طرح نہیں ہے۔
اس لیے کہ تو اب بھی آلام و مصائب کے سامنے کا پابند ہے اور
دوزخ کے گیت سُننے سے تجھے ڈر لگتا ہے۔

دیوانہ

میں تیری طرح ہوں، اے رات! وحشی اور با جبروت!
میرے کانوں میں شکست خوردہ قوموں کی فریادیں اور جلا وطنوں
کی حسرت ناک آہیں گونج رہی ہیں۔

رات

نہیں، اے دیوانے! تو میری طرح نہیں ہے۔

اس لیے کہ تو نے اب بھی اپنی چھوٹی ذات کو اپنا وفادار رفیق بنا رکھا ہے اور اپنی باجبروت ذات کو دوست بنانا اب بھی تیرے امکان سے باہر ہے۔

دیوانہ

میں تیری طرح ہوں، اے رات! خوں آشام اور ہلاکت پسند۔ میرا دل سمندروں میں جلتے ہوئے جہازوں کے شعلے دیکھ کر ہی خوش ہوتا ہے، اور میرے ہونٹ میدانِ کارزار میں پچھڑے ہوئے سورماؤں کے خون ہی سے ذائقہ اندوز ہوتے ہیں۔

رات

نہیں، اے دیوانے تو میری طرح نہیں ہے۔
اس لیے کہ تجھ پر اب تک ایک رفیقۂ حیات کا شوق مسلط ہے، یہ شوق، جہاں چاہتا ہے، تجھے لے جاتا ہے۔ تو نے اب تک اپنے نفس کے لیے کوئی قانون نہیں بنایا۔

دیوانہ

میں تیری طرح ہوں، اے رات! مسرور و شاداں!

جو مرد میرا ساتھی ہے، وہ ہمیشہ اچھوتی شراب سے مدہوش رہتا ہے
اور جو عورت مجھ سے پر خلوص دوستی رکھتی ہے، وہ کھلے دل سے گناہ
کرتی ہے۔

رات

نہیں، دیوانے! تو میری طرح نہیں ہے۔
اس لیے کہ تیری روح ایک ایسی نقاب میں روپوش ہے جس کی
ساتت نہیں ہیں اور تو اب تک اپنے دل کو اپنی ہتھیلی پر نہیں رکھ سکا۔

دیوانہ

میں تیری طرح ہوں، اے رات! صبر پیشہ اور غم زدہ!
میرے سینے میں اُن چاہنے والوں کی ہزار دل قبریں ہیں جنھوں نے
بڑے خلوص سے جانیں دیں۔ جنھیں آنسوؤں نے نہلایا اور مرجھائے
ہوئے بوسوں نے کفن پہنایا۔

رات

کیا تو میری طرح ہے؟
کیا تو سچ مچ میری طرح ہے؟ اے دیوانے!

کیا تو آندھی کو اپنا گھوڑا بنا سکتا ہے؟ اور کیا تو بجلی کی تلوار کھینچ سکتا ہے؟

دیوانہ

میں تیری طرح ہوں، اے رات!

میں تیری ہی سی قدرت و عظمت رکھتا ہوں۔

میں نے بچھڑے ہوئے دیوتاؤں کے انبار پہ اپنا تخت بنایا ہے۔

میں نے زمانے پہ اس طرح قابو پایا ہے کہ وہ میرے سامنے سے جھک کر گزرتا ہے۔ میرے دامن کو بوسہ دیتا ہے۔ لیکن میرے چہرے کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔

رات

کیا تو میری طرح ہے؟

اے میرے تہ در تہ اور انتہائی تاریک دل کے بیٹے!

کیا میرے خود سرانہ انکار تیرے دل میں راہ پاتے ہیں یا تو میری وسیع زبان بولتا ہے؟

دیوانہ

ہاں! ہم دونوں جڑواں بہن بھائی ہیں، اے رات! تو ابدیت کے اسرار منکشف کرتی ہے۔

اور میں اپنے دل کے بھید کھولتا ہوں۔

چہرے

میں نے ایک ایسا چہرہ دیکھا، جس کے ہزاروں رُخ تھے۔

اور میں نے ایک ایسا چہرہ دیکھا، جس کا صرف ایک ہی رُخ تھا۔
جیسے اُسے ایک قالب میں ڈھال دیا گیا ہو۔

میں نے ایک ایسا چہرہ دیکھا، جس کی ظاہری چمک دمک میں چھپی ہوئی بد نمائی میں نے پڑھ لی۔

اور ایک ایسا چہرہ، جس کے پوشیدہ حسن کی رعنائی میں اس وقت تک نہ دیکھ سکا، جب تک میں نے اس کی ظاہری نقاب نہ اُلٹ دی۔

میں نے ایک سال خوردہ چہرہ دیکھا، جس پر جھریاں پڑی تھیں لیکن ان جھریوں کے پیچھے کچھ نہ تھا۔

اور ایک تر و تازہ چہرہ دیکھا، جس کے خد و خال پر سب کچھ مرتسم
تھا۔

میں چہروں کو جانتا ہوں۔

اس لیے کہ میں اُن پر وہ نگاہ ڈالتا ہوں، جو میری بصارت کے
تانے بانے سے گزر جاتی ہے۔

اور میں اپنی آنکھوں سے اُس حقیقت کو دیکھ لیتا ہوں جو چہروں
کے پیچھے چھپی ہوتی ہے۔

سب سے بڑا سمندر

میں اور میری روح ایک بڑے سمندر میں نہانے گئے۔ ساحل پر پہنچ کر ہم ایک ایسی جگہ تلاش کرنے لگے، جہاں لوگوں کی نگاہیں ہم پہ نہ پڑیں۔

ہم جگہ تلاش کرتے پھر رہے تھے کہ ہم نے ایک شخص کو دیکھا، جو ایک مٹیالے رنگ کی چٹان پہ بیٹھا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک تھیلا تھا اور وہ اس میں سے مٹھیاں بھر بھر کے نمک سمندر میں پھینک رہا تھا۔

میری روح نے مجھ سے کہا:

"یہ قنوطی ہے، جو صرف زندگی کی پرچھائیں دیکھتا ہے۔ ہمیں یہاں سے چلے جانا چاہیے۔ ہم اس کے سامنے نہیں نہا سکتے۔"

ہم وہاں سے آگے بڑھ گئے۔ یہاں تک کہ ایک کھاڑی میں

پہنچے، جہاں ایک شخص ایک سفید چٹان پر بیٹھا تھا، اس کے ہاتھ میں جواہر مرصّع ایک صندوقچی تھی اور وہ اس میں سے قند کی ڈلیاں نکال نکال کر سمندر میں پھینک رہا تھا۔

میری روح نے مجھ سے کہا:

"یہ رجائی ہے، جو اُن چیزوں سے بھی بشارت لیتا ہے، جن میں کوئی بشارت نہیں۔ اسے ہمارے برہنہ جسم نہیں دیکھنے چاہئیں"۔

ہم آگے بڑھتے گئے، یہاں تک کہ سمندر کے کنارے پر پہنچ گئے وہاں ہم نے ایک شخص کو دیکھا، جو مردہ مچھلیوں کو چن چن کر شفقت و ہمدردی کے ساتھ، اُنھیں دوبارہ سمندر میں پھینک رہا تھا۔

میری روح نے کہا:

"یہ نرم دل انسان مردہ پرست ہے، جو قبر کے مردوں میں دوبارہ جان ڈالنی چاہتا ہے۔ ہمیں اس سے دُور ہو جانا چاہیے"۔

چنانچہ ہم وہاں سے بھی گزر گئے اور ایک دوسری جگہ پہنچے۔ وہاں ہم نے دیکھا کہ ایک شخص پانی پر اپنے سائے کے خطوط کھینچ رہا ہے۔ موجیں آتی ہیں اور ان خطوط کو مٹا دیتی ہیں۔ یہ دیکھ کر وہ پھر

واپس آتا ہے اور پھر خطوط کھینچتا ہے۔ یہی عمل بار بار ہو رہا ہے۔

میری روح نے مجھ سے کہا:

"یہ صوفی ہے اور اپنے اوہام کا بُت بنا کر اسے پوجنا چاہتا ہے۔ ہمیں اس کے پاس ٹھہرنا نہیں چاہیے۔"

ہم نے اسے بھی اپنے پیچھے چھوڑا اور دوسری جگہ ایک چھوٹی سی کھاڑی میں گئے۔ وہاں ہم نے ایک شخص کو دیکھا، جو پانی کی سطح سے جھاگ اتار اتار کر عقیق کے ایک پیالے میں ڈال رہا تھا۔

میری روح نے مجھ سے کہا:

"یہ خیال پرست ہے، جو تارِ عنکبوت سے اپنی چادر بُننی چاہتا ہے۔ یہ ہمارے برہنہ جسم دیکھنے کا مستحق نہیں"۔

ہم تھوڑی ہی دُور چلے ہوں گے کہ اچانک ایک آواز ہمارے کانوں میں آئی۔ کوئی کہہ رہا تھا:

"یہ سمندر ہے۔

گہرا سمندر

وسیع اور ہولناک سمندر"

ہم آواز کی طرف دوڑے ۔ ہم نے دیکھا کہ ایک شخص سمندر کی طرف پیٹھ کیے کھڑا ہے ۔ سینگ سے مشابہ ایک سیپ اس نے اپنے کان سے لگا رکھی ہے اور اپنی صدا کی بازگشت سننے کے لیے بیٹھ بیٹھ جاتا ہے ۔

میری روح نے کہا :

"چلو! یہاں سے چلیں ۔ یہ دہریا ہے اور ان کائنات سے منہ پھیر کر، جو اس کی عقل سے باہر ہیں، اُن بے رس جذبات میں کھویا ہوا ہے، جن کا دامن بالکل خالی ہے"۔

ہم نے اسے بھی چھوڑا اور ایک دوسری جگہ پہنچے ۔ وہاں ایک شخص چِٹا توں میں اوندھا پڑا تھا ۔ اور اس نے اپنا سر زمین میں دے رکھا تھا ۔

میں نے اپنی روح سے کہا :

"ادھر آؤ! یہاں تنہا ئیں ۔ یہ شخص ہمیں نہیں دیکھ سکتا"

میری روح نے اپنے سر کو جنبش دی اور کہا :

"نہیں اور ہزار بار نہیں ۔ یہ شخص، جسے تم دیکھ رہے ہو، اللہ تعالیٰ کی بدترین مخلوق ہے ۔ یہ انکار و خباثت کا پتلا ہے، جس نے زندگی کے

المیے سے روگردانی کی اور زندگی نے اپنی خوشبوؤں کے لیے اس کے دل کے دروازے بند کر دیے"۔

میری روح کے چہرے پر رنج و مایوسی کے آثار ظاہر ہوئے اور اس نے شدید تلخی کے احساس سے ٹوٹتی ہوئی آواز میں کہا:

آؤ! ان ساحلوں سے چلیں۔ یہاں کوئی ایسی پوشیدہ اور پُر سکون جگہ نہیں ہے، جہاں ہم نہا سکیں، میں نہیں چاہتی کہ یہ ہوا میرے سنہری بالوں سے کھیلے۔ یہ فضا میرے شفاف سینے سے پردہ ہٹائے اور یہ روشنی میری مقدس عریانی کو ظاہر کرے"۔

اس وقت ہم اس سمندر کو چھوڑ کر سب سے بڑے سمندر کی تلاش میں روانہ ہوئے۔

مصلوب

میں نے لوگوں سے چیخ کر کہا:
میں چاہتا ہوں! تم مجھے سُولی پر چڑھا دو!
انھوں نے جواب دیا:
"ہم تیرا خون اپنے سر کیوں لیں؟"
میں نے کہا:
"اگر تم نے دیوانوں کو سولی پر نہ چڑھایا؛ تو پھر تم اپنے اُوپر کیسے فخر کر سکو گے؟"

انھوں نے میری بات مان لی اور مجھے سُولی پر چڑھا دیا۔
سُولی نے میری روح کے طوفان کو فرو کر دیا۔

جب میں زمین و آسمان کے درمیان معلق تھا، لوگوں نے سر اُٹھا کر میری طرف دیکھا۔ ان پر ایک استعجاب کی سی کیفیت طاری تھی۔ کیونکہ اس سے پہلے ان کے سر اُن کے قدموں سے اوپر نہ اُٹھے تھے۔

جب وہ سولی کے اردگرد کھڑے تھے، تو ان میں سے ایک شخص کی آواز بلند ہوئی اور اس نے مجھ سے کہا:

"اے شخص! تو کس گناہ کا کفارہ ادا کر رہا ہے؟"

دوسرے نے کہا:

"اپنے پروردگار کی قسم! سچ سچ بتا، تجھے اپنی جان کی قربانی دینے پر کس چیز نے آمادہ کیا؟"

اس کے بعد تیسرا مجھ سے پوچھنے لگا:

"اے جہالت کے پُتلے! کیا تو یہ سمجھ رہا ہے کہ اس حقیر سی قیمت پر جو تو ادا کر رہا ہے، دُنیا کا مجد و شہرت خرید لے گا؟"

آخر میں چوتھا بولا:

"ذرا اس کی گونگی مسکراہٹ کو تو دیکھو! گویا اس پر کچھ بیت ہی نہیں رہی۔ کیا کوئی انسان ایسی تکلیف پر مسکرا سکتا ہے؟"

اس وقت میں ان کی طرف متوجہ ہوا اور میں نے اُن سے کہا:

"میری اس مسکراہٹ کو یاد رکھو اور اس کے سوا ہر چیز کو ذہن سے محو کر دو۔ میں نہ کسی گناہ کا کفارہ ادا کر رہا ہوں، نہ کسی قربانی کے پیچھے دوڑ رہا ہوں، نہ مجھے کسی پیغمبری کی تمنا ہے اور نہ میں نے کوئی جرم کیا ہے، جس کی سزا بھگتوں۔

لیکن، میں پیاسا تھا، اس لیے میں نے تم سے درخواست کی کہ میرا خون مجھے پلا دو۔ کیا کسی دیوانے کے لیے اس کے خون کے سوا کوئی مشروب ہے، جو اس کی پیاس بجھا سکے؟ نہیں! کوئی مشروب نہیں ہے!

میں گونگا تھا، اس لیے میں نے تم سے درخواست کی کہ میرے زخم کو میرے لیے زبان بنا دو!

میں تمہارے شب و روز کی ظلمت میں قید تھا، اس لیے میں نے ایک ایسی راہ تلاش کی، جس پہ چل کر میں اُن دنوں تک پہنچ جاؤں، جو تمہارے دنوں سے زیادہ حسین ہیں، ان راتوں سے آسودہ ہو جاؤں، جو تمہاری راتوں سے زیادہ کامران ہیں۔

اور اب میں وہاں جا رہا ہوں، جہاں مجھ سے پہلے بہت سے سولی پر چڑھائے جانے والے جا چکے ہیں۔ لیکن یہ خیال تم کبھی اپنے دل میں نہ لانا کہ یہ مصلوبوں کا گروہ تمہاری سولیوں سے اُکتا گیا ہے۔ اس لیے کہ یہ تو ہماری تقدیر ہی میں لکھ دیا گیا ہے کہ ہم —— دُنیا کے مختلف خطّوں اور بلند آسمانوں کے درمیان تم سے کہیں زیادہ قدرت و طاقت رکھنے والے جابروں کے ہاتھوں سُولی پر چڑھائے جاتے رہیں۔

نجومی

میں نے اور میرے ایک دوست نے ایک اندھے کو ہیکل کے سائے تلے تنہا بیٹھے دیکھا۔ میرے دوست نے مجھ سے کہا:

"یہ ہماری قوم کا سب سے دانش مند شخص ہے"۔

میں اپنے دوست کو چھوڑ کر اندھے کے پاس گیا۔ اسے سلام کیا اس کے پہلو میں بیٹھ کر اس سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے اس سے پوچھا۔

"جناب! آپ کی بینائی گئے کتنے دن ہوئے"؟

اس نے جواب دیا۔

"بیٹا! میں جنم کا اندھا ہوں"!

میں نے کہا۔

"آپ فلسفے کے کون سے مذہب کے پیرو ہیں"؟

اس نے جواب میں بتایا۔

"میں ماہر فلکیات اور نجومی ہوں"!

اس کے بعد اس نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھا اور سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے بولا۔

"میں ان سورجوں، ان چاندوں اور ان ستاروں کی چال دیکھتا رہتا ہوں"۔

شوقِ بے پایاں

میں اپنے بھائی : پہاڑ اور اپنی بہن : سمندر[1] کے درمیان بیٹھا ہوں۔ ہم تینوں اپنی تنہائی میں ایک ہیں۔ ہمیں ایک اٹوٹ، طاقتور اور گہری محبت ایک دوسرے سے مربوط کرتی ہے۔

وہ محبت، جو میری بہن کی گہرائی سے زیادہ گہری، میرے بھائی کی قوت سے زیادہ قوی اور میرے جنون کے عجائبات سے زیادہ عجیب ہے۔

جب پہلی صبح نے ہماری آنکھوں سے ظلمت کے پردے ہٹائے ہیں اور ہم میں سے ہر ایک نے اپنے بھائی کو دیکھا ہے، اس سے

---

[1] اس فکر پارے میں خلیل جبران نے سمندر کو مونث لکھا ہے۔

پہلے ہی کئی زمانے ہم پہ بیت چکے ہیں۔

ہم نے بہت سے جہانوں کی پیدائش، ان کا عروج اور اُن کا زوال

دیکھا ہے۔ اس کے باوجود ہم ابھی تک نوخیز اور آرزومند ہیں۔

ہاں! ہم نوخیز اور آرزومند ہیں۔ لیکن تنہا ہیں اور کوئی ہمیں نہیں

پوچھتا۔

ہم ہمیشہ کے لیے ایک دوسرے کے گلے میں یا نہیں ڈالے لیٹے

ہیں۔ لیکن ہمیں چین نصیب نہیں۔ اور کیا غلام بنائے ہوئے شوق اور کبھی

نہ ختم ہونے والی خواہش کو کبھی چین نصیب ہو سکتا ہے؟

کہاں ہے وہ آگ کا شعلہ کار دیوتا، جو میری بہن کا بستر گرم کرے؟

بلکہ کہاں ہے بارش کی فیض رساں دیوی، جو میرے بھائی کے

آتش فشانوں کو ٹھنڈا کرے!

اور میں کہ ان دونوں سے زیادہ بدقسمت ہوں، کہاں ہے وہ

عورت جو میرے دل کے تخت پہ جلوہ افروز ہو؟

رات کی خاموشی میں میری بہن، سوتے میں نامعلوم آگ کے

دیوتا کا نام لیتی رہتی ہے، کہ وہ اس کا پہلو گرم کرے۔

اور میرا بھائی بارش کی کھوئی ہوئی دیوی کو پکارتا رہتا ہے کہ وہ اُس
کی آگ کو ٹھنڈا کرے۔

لیکن میں اپنی بے خبری کے لمحات میں کسے پکارتا ہوں؟
بخدا! میں نہیں جانتا!
بخدا! میں نہیں جانتا!

میں اپنے بھائی! پہاڑ اور اپنی بہن! سمندر کے درمیان بیٹھا ہوں۔
ہم تینوں اپنی تنہائی میں ایک ہیں۔
ہمیں ایک انوکھی، طاقت ور اور گہری محبت ایک دوسرے سے
مربوط کرتی ہے۔

سبز تنکا اور زرد پتّا

سبز تنکے نے زرد پتّے سے کہا:

"تو گرتے ہوئے اتنا شور مچاتا ہے کہ میرے سرمائی خواب پریشان ہو جاتے ہیں"!

زرد پتّے نے غضب ناک ہو کر جواب دیا:

"اے سدا کے کمینے! اے ہلکے بد زبان! تجھے خوابوں سے کیا واسطہ؟ تو تو ہر وقت زمین کی نچلی سطحوں میں لتھڑا رہتا ہے۔ تیرے کان فضا کی موسیقی سے ناآشنا ہیں۔ تو راگ اور ریں کی میاؤں میاؤں میں تمیز نہیں کر سکتا"۔

زرد پتّے نے یہ کہا اور زمین پر گر کر سو گیا۔

اور جب بہار کا موسم آیا، تو وہ اپنی نیند سے بیدار ہوا۔ اب وہ ایک سبز تنکا بن چکا تھا۔

اس کے بعد خزاں کا موسم آیا اور جاڑوں کی اونگھ اس پر طاری ہوگئی۔ ہوا نے اس کے چاروں طرف درختوں کے سوکھے پتّے بکھیرنے شروع کر دیے اور اس نے بے چینی سے کروٹیں بدلتے ہوئے کہا:

"کتنا ناک میں دم کیا ہے خزاں کے ان بوجھل پتّوں نے یہ گرتے ہوئے اس قدر شور مچاتے ہیں، اتنا غل کرتے ہیں کہ میرے سرمائی خواب پریشان ہوجاتے ہیں!"

آنکھ

ایک دن آنکھ نے اپنے ساتھیوں — حواس — سے کہا:

"میں ان وادیوں کے پرے بادلوں سے ڈھکا ہوا پہاڑ دیکھ رہی ہوں۔ اُف! کتنا حسین ہے وہ پہاڑ!"

کان نے اس کی بات سُنی اور بولا:

"کہاں ہے وہ پہاڑ، جسے تم دیکھ رہی ہو؟ مجھے تو اس کی آواز سنائی نہیں دیتی۔"

اس کے بعد ہاتھ نے کہا:

"میں اسے محسوس کرنے یا چھُونے کی عبث کوشش کر رہا ہوں۔ یقیناً وہاں کوئی پہاڑ نہیں ہے۔"

اب ناک بولی :

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ پہاڑ کیسے ہو سکتا ہے ؟ میں تو اس کی بُو سُونگھ نہیں سکتی ۔ نہیں پہاڑ کا وجود ناممکن ہے"!

آنکھ نے دل ہی دل میں ہنستے ہوئے اپنا رُخ دوسری طرف کر لیا ۔

لیکن دوسرے حواس نے اپنی مجلس جما کر آنکھ کے اس گمراہ کُن دعوے پر گفتگو شروع کر دی ۔ نہایت دقیق بحث کے بعد بالاتفاق ان میں یہ طے پایا کہ :

"آنکھ یقیناً اپنی عقل کھو بیٹھی ہے"!

دو عالم

انکار کے قدیم شہر میں دو عالم رہتے تھے۔ ان میں سے ہر ایک دوسرے کے علم میں کیڑے ڈالتا اور اس کی تحقیر و تذلیل کرتا تھا۔ پہلا عالم کافر تھا اور دوسرا مومن۔

اتفاق ایسا ہُوا کہ ایک دفعہ شہر کے چوک میں ان کی مُڈبھیڑ ہو گئی اور انھوں نے، اپنے اپنے ساتھیوں کے سامنے، دیوتاؤں کے وجود اور عدم وجود پر بحث و مجادلہ شروع کر دیا۔ چند گھنٹے نزاع و جدال کی بھٹی گرم کرنے کے بعد وہ اپنی اپنی راہ چلے گئے۔

اُسی دن شام کو کافر ہیکل میں گیا۔ اور قربان گاہ کے سامنے گھٹنوں کے بل جُھک کر دیوتاؤں سے اپنے پچھلے تمام گناہوں کی معافی

چاہی اور ان پر ایمان لے آیا۔

اور اُسی لمحے مومن نے اپنی متقدس کتابوں کو شہر کے چوک میں نذرِ آتش کر دیا اور کافر و زندیق ہو گیا۔

جب میرا غم پیدا ہوا

جب میرا غم پیدا ہوا تو میں نے اپنے لطف و عنایت کے دودھ سے
پالا اور راتوں کو جاگ جاگ کر محبت و مہربانی کی آنکھ سے اس کی دیکھ بھال کی۔
چنانچہ میرا غم بھی اسی طرح پروان چڑھا، جس طرح ہر جاندار پروان چڑھتا
ہے ــــ طاقت ور، اور حسین، مسرت و شادمانی اور رونق و تازگی سے
بھرپور!

میں اپنے غم سے محبت کرتا تھا اور میرا غم مجھ سے، اور ہم دونوں
اپنے گرد و پیش کی دنیا سے محبت کرتے تھے۔ اس لیے کہ میرا غم رقیق القلب
اور مہربان تھا۔ چنانچہ میرا دل بھی رقیق اور مہربان ہو گیا۔
جب ہم ــــ میں اور میرا غم ــــ آپس میں باتیں کرتے تھے تو اپنے

خوابوں کو اپنے دنوں کے لیے بازو اور اپنی رانوں کے لیے پیٹیاں بنا لیتے تھے، اس لیے کہ میرا غم بڑا خوش بیان اور فصیح اللسان تھا۔ چنانچہ میری زبان میں بھی فصاحت اور شیرینی پیدا ہو گئی۔

اور جب ہم ــــ میں اور میرا غم ــــ ایک ساتھ نغمہ سرا ہوتے تھے، تو ہمارے پڑوسی اپنی اپنی کھڑکیوں میں بیٹھ کر ہمارے گیت سُنتے تھے۔ اس لیے کہ ہمارے گیت سمندر کی گہرائیوں کی طرح گہرے اور یاد کے عجائبات کی طرح عجیب ہوتے تھے۔

اور جب ہم ــــ میں اور میرا غم ــــ ساتھ چلتے تھے، تو لوگ ہمیں ایسی آنکھوں سے ٹکٹکی باندھ کر دیکھتے تھے، جن سے محبت اور حیرت کی شعاعیں پھوٹتی تھیں۔ وہ ہم سے نہایت نرم اور شیریں الفاظ میں گفتگو کرتے تھے۔ البتہ اُن میں سے بعض ہمیں حسد کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ اس لیے کہ میرا غم مبارک و محترم تھا اور میں اپنے غم پر فخر و ناز کرتا تھا۔

اس کے بعد میرا غم مر گیا، جس طرح ہر جاندار مر جاتا ہے، اور میں تنہا رہ گیا ــــ فکر کے جال میں پھنسا ہوا اور تشویش کے پھندوں میں جکڑا ہوا!

اور اب میں بولتا ہوں تو میرے کان، میری آواز سے بوجھل ہو جاتے ہیں۔

گاتا ہوں، تو میرا کوئی پڑوسی میرا گیت نہیں سُنتا۔

گلی کوچوں میں پھرتا ہوں، تو کوئی میری طرف نگاہ اُٹھا کر نہیں دیکھتا۔

لیکن مجھے صبر آجاتا ہے، جب میں سوتے میں آوازیں سُنتا ہوں جو حسرت ناک لہجے میں کہتی ہیں:

"دیکھو! دیکھو! یہاں وہ شخص سو رہا ہے، جس کا غم مر گیا ہے۔"

اور جب میری خوشی پیدا ہوئی

اور جب میری خوشی پیدا ہوئی، تو میں اسے گود میں لے کر اپنے مکان کی چھت پر چڑھ گیا اور پکار پکار کر کہنے لگا:

"آؤ! میرے پڑوسیو اور شناساؤ!

آؤ اور دیکھو! آج میرے گھر خوشی پیدا ہوئی ہے۔

آؤ، اور میری بے پایاں خوشی کو دیکھو! جو سورج کے سامنے ہنس کھیل رہی ہے۔"

یہ دیکھ کر میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ میرا کوئی پڑوسی میری خوشی کو دیکھنے نہ آیا۔

سات مہینے تک میں صبح و شام، اپنے گھر کی چھت پر کھڑے ہو کر

لوگوں کے سامنے اپنی خوشی کا اعلان کرتا رہا لیکن کسی نے میری آواز نہ سُنی

اور میں اور میری خوشی دونوں تنہائی و ناپرسانی کی حالت میں پڑے رہے،

کسی نے ہماری پروا نہ کی۔

ابھی ایک ہی سال گزرا تھا کہ میری خوشی اپنی زندگی سے اُکتا گئی۔

اس کی رنگت جھلس گئی اور وہ بیمار پڑ گئی اس لیے کہ میرے دل کے سوا

کوئی دل اس کی محبت میں نہ دھڑکا اور میرے مُنہ کے سوا کسی مُنہ نے اُسے

بوسہ نہ دیا۔

آخرکار میری خوشی تنہائی میں، ایڑیاں رگڑ رگڑ کے، مر گئی اور مجھے

بھی اب وہ اُسی وقت یاد آتی ہے، جب میں اپنے غم کو یاد کرتا ہوں۔

اور یاد اس خزاں رسیدہ پتّے کے سوا کچھ نہیں جو تھوڑی دیر ہوا

میں اِدھر اُدھر اُڑتا ہے اور پھر ہمیشہ کے لیے مٹی کا کفن پہن لیتا ہے۔

دُنیائے کامل

اے کھوئی ہوئی روحوں کے معبُود!

اے دیوتاؤں میں کھوئے ہوئے!

میری سُن!

اے قدرت و رحمت والے!

اے ہماری بھٹکتی ہوئی دیوانی روحوں کی نگرانی کرنے والے!

میری بات پہ کان لگا:

میں — جو ناقص ہوں — کامل انسانوں میں رہتا ہوں۔

میں — میں تشویش زدہ بشریت اور مضطرب العناصر کُرّا — اُن قوموں کی مکمل دنیاؤں میں، اترانا پھرتا ہوں۔ جن کے قوانین درجۂ کمال کو پہنچ گئے ہیں،

جن کے نظامات نکھر چکے ہیں - جن کے افکار و خیالات مرتب ہو چکے ہیں
اور جن کی روایتیں ضبطِ تحریر میں آ چکی ہیں -

پروردگارا!

یہ لوگ اپنی فضیلتوں کو ناپتے اور اپنی غلطیوں کو تولتے ہیں اور ان کے پاس
ایسے ایسے مزخرفات کے ریکارڈ اور کیٹیلاگ ہیں جنہیں برائیاں کہا جا سکتا ہے نہ بھلائیاں -

وہ اپنے شب و روز کو ترتیب و قانون سے آراستہ قسموں میں تقسیم کرتے ہیں
اور ہر کام اپنی سوجھ بوجھ کے مطابق اس کے وقت پر سرانجام دیتے ہیں -

چنانچہ کھانا پینا، سونا، تن ڈھانکنا اور اس کے بعد بیزاری اور بے چینی
—— یہ سب کام اپنے اپنے وقت پر ہوتے ہیں -

کام، کھیلنا، گانا، ناچنا اور اس کے بعد آرام جب اس کا وقت آتا ہے -
اس کی فکر، اس کا شعور اور پھر فکر و شعور سے گریز، جب دور افق
پر اُمید کا مبارک و مسعود ستارہ چمکنے لگے -

مسکراتے لبوں سے ہمسائے کو لُوٹنا، شکر و ثنا کے امیدوار ہاتھ سے
بخشش و کرم، پھر ذہانت کی تعریف اور غور و فکر پر ملامت، ایک بات سے روح
کو قتل کر دینا، ایک بوسے سے جسم کو پھونک دینا اور شام کو دونوں ہاتھ اس طرح

دھو ڈالنے، گویا کچھ تھا ہی نہیں ۔

بندھے ٹکے طریقے سے محبت کرنا، روائتی طور پر تسلیاں دینا، نہایت اہتمام و شائستگی کے ساتھ دیوتاؤں کی پوجا، شیطانوں سے حیلہ سازی، زندیق سے مکاری —— اور پھر جو کچھ گزرا اور جو کچھ ہوا، اسے بھول جانا گویا حافظہ بھی بے وقوفوں کا ایک خواب ہے ۔

بھرپور تصور، پوری توجہ سے غور و فکر، دانشمندانہ مسرت اور خمار آلم انگیزی اور پھر امیدوں کا پورا پیالا تمالی کر دینا، اس امید میں کہ زمانہ آخر کار اسے بھر دے گا۔

پروردگارا، پروردگارا!

فکر سیفنت کرتی ہے اور ان سب چیزوں کا بیج اس کے شکم میں پڑتا ہے ۔

عزیمت انہیں جنم دیتی ہے ۔ وقت انہیں پروان چڑھاتی ہے ۔ نظام ان پر تسلط جماتا ہے، اور عقل ان کی تدبیر اور انتظام کرتی ہے ۔

اس کے بعد وہ موت کے گھاٹ اتار دی جاتی ہیں۔ انہیں روح کے پُرسکون گوشوں میں دفن کر دیا جاتا ہے ۔ ہماری اور تمام مخلوق کی عبرت کے لیے ان کی قبریں باقی رہ جاتی ہیں، جنہیں ارقام و علامات کے نام سے پکارا جاتا ہے ۔

ہاں! یہی ہے، وہ دنیائے کامل، جو اپنے نقطۂ عروج کو پہنچ گئی ہے

عجائبات و معجزات کی دُنیا!
بلکہ وہ اللہ کے باغوں کا سب سے پختہ پھل ہے۔
اور اس کے جہانوں میں سب سے اونچا جہان!
لیکن یارب! میں یہاں کیوں ہوں؟
میں یہاں کیوں ہوں؟ جبکہ میں ایک بدہئیت پھل ہوں، جو ابھی
تک اپنی پختگی کو نہیں پہنچا۔
ایک اندھی اور ہیجان انگیز آندھی ہوں، جو نہ مشرق کو ڈھونڈتی
ہے، نہ مغرب کو۔
اور ایک جلتے ہوئے، بِکھرے ہوئے سیارے کا ایک آوارہ و سرگرداں
ذرّہ ہوں!
میں یہاں کیوں ہوں؟
میں یہاں کس لیے ہوں؟
اے کھوئی ہوئی روحوں کے معبود!
اے دیوتاؤں میں کھوئے ہوئے!